محمد حنیف ندوی

تاثرات

مولانا احتشام الحق کا اختلافی نوٹ:

عائلی کمیشن کی رپورٹ چھپی تو ان تمام گروہوں نے متفقہ طور پر اس کی تائید کی جو دل سے چاہ رہے تھے کہ طبقۂ نسواں کی حمایت میں کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور ان کے ازدواجی قوانین کی اس انداز سے اصلاح کی جائے کہ جس سے ان کی مظلومیت، بے چارگی اور تکالیف کا سدِّباب ہو سکے۔ اور یہ اپنے گھروں اور خاندانوں میں اس طرح پر فضا اور مسرت و شادمانی کے اس جانفزا ماحول کو جنم دے سکیں کہ جس کے لئے یہ معرض وجود میں آئی ہیں۔ چنانچہ اُردو، انگریزی کے مؤقر جرائد نے، تمام اصلاح طلب گروہوں نے اور خود عورتوں کی مختلف جماعتوں نے ان سفارشات کو سراہا اور ان کے فوری نفاذ پر زور دیا۔

مخالفت جو ہوئی تو صرف جامد اور مقلد علماء کی طرف سے۔ اور اس پر ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ حضرات صدیاں بیت چکیں کہ فکر و اختیار کی نعمتوں سے محروم ہو چکے انہیں مطلق معلوم نہیں کہ یہ جس معاشرہ میں رہ رہے اس کا مزاج کیا ہے۔ اور اس میں اور اس سادہ معاشرہ میں کیا مابہ الامتیاز ہے کہ جس میں قرآن مجید کا نزول ہؤا۔ اس نے فکر و عمل کی کن کن نئی الجھنوں کو پیدا کر رکھا ہے۔ اور ان کا حل سوچنے اور اسلام کی تعبیر نو پیش کرنے کے لئے کس پیرایۂ استدلال اور کس اندازِ بیان کی ضرورت ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں نکل گیا ہے، علوم و فنون اور نظریات و تصورات کی دنیا میں ایک زلزلہ سا آگیا ہے، مگر یہ ہیں کہ ابھی تک بے خبر لمبیاں تان کر سو رہے ہیں اور کٹھ ملائی کے تنگ نظرانہ خیالات سے آگے نہیں بڑھ پائے۔ ہم نے ان لوگوں کی عمداً پرواہ نہیں کی۔ تاہم مولانا احتشام الحق صاحب کے اختلافی نوٹ کا بے تابی سے انتظار تھا۔ کیونکہ ان کو حکومت نے اس کام کے لئے خصوصیت سے چُنا تھا۔ ہمیں ان کی ذات سے اس بنا پر حسنِ ظن تھا کہ جب ان کو اراکینِ کمیشن میں رکھا گیا ہے تو لامحالہ حکومت کے سربراہوں نے ان کے بارے میں اتنا اطمینان تو بہرحال کر لیا ہوگا کہ ان کی قابلیت، مطالعہ اور مرتبۂ فقہی اس لائق ہے کہ یہ ایسے مسائل سے نمٹ سکیں۔ اور اعتماد و وثوق کے ساتھ کوئی بات کہہ سکیں۔

مگر جب ان کا اختلافی بیان شائع ہو کر سامنے آیا تو ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اس میں خطابت آرائی، شوکتِ الفاظ، اور شکوہ و احتشام تو پایا جاتا ہے۔ مگر وہ "حق" جس کی ہمیں تلاش تھی، اس کا کہیں پتہ نہیں۔ اس بیان

اختلافی نوٹ کی ترتیب میں زیادہ تر کوشش اس امر کی کی گئی ہے کہ عوام کے جذبات کو اراکینِ کمیشن کے خلاف کیونکر اُبھارا اور اُکسایا جا سکتا ہے۔ رہا علمی اور سنجیدہ اختلاف رائے اور ذمہ داری کا احساس تو اس کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ مولانا کا تعلق جس وعظ پیشہ طبقہ سے ہے اس سے زیادہ کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود مولانا کو اپنی ان کمزوریوں اور کم مائیگیوں کا شدید احساس ہے۔ اور اُنہوں نے ان کو چھپانے کی بظاہر کوئی کوشش بھی نہیں کی۔ کمیشن کے رجال کار پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میرے سوا ہر ممبر نے اپنے آپ کو ماہرِ شریعت اور مجتہد مطلق کی حیثیت میں پیش کیا، اس لئے قرآن وسنت کی خلاف ورزی اور فقہ اسلامی کی تضحیک میں سب یک زبان رہے"۔ سوال یہ ہے کہ آپ کی مہارت شرعی اور فقہی قابلیت سے کمیشن کے اراکین کیوں متاثر نہیں ہوئے اور آپ کے علم اور معلومات کو کیوں درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اور آپ بحیثیت ایک مقتدر عالم دین کے اس تاثر کے پیدا کرنے میں کیوں ناکام رہے، کہ فقہ ودین کی جو تعبیر آپ پیش کر رہے ہیں وہی مدلل معقول اور صحیح ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ آپ اس اہم کام کے اہل نہ تھے۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ کے سامنے قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہوتی رہی جیسا کہ آپ کہتے ہیں، اور فقہ اسلامی کی تضحیک کا مسلسل ارتکاب کیا جاتا رہا۔ لیکن آپ چپ چاپ سنتے رہے، ان اجتماعات میں شریک رہے، اور مقررہ الاؤنس وصول کرتے رہے۔ کیا اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ جواز آپ یا آپ کے وہ ہم نوا پیش کر سکتے ہیں جو آپ کے اس نوٹ کو حرفِ آخر قرار دے رہے ہیں۔ یہ مانا کہ آپ میں تفہیم مسائل کی صلاحیت نہیں تھی اور خالصۃً فقہی مسائل میں آپ کے مطالعہ کی گہرائیاں ایسی نہیں تھیں کہ کمیشن ان سے متاثر ہو سکے۔ مگر یہ کیا غضب ہے علم کے ساتھ غیرت وحمیت دینی کا بھی فقدان ہے۔ کیا آپ کا فرض یہ نہیں تھا کہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی اور فقہ کی تضحیک کے خلاف فوراً احتجاج کرتے اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے کہ صاحب میں اس بے دینی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اس کے برعکس آپ نہ صرف یہ کہ ان تمام اجتماعات میں شریک ہوتے رہے اور پورا الاؤنس وصول کرتے رہے، بلکہ کئی ماہ تک منہ میں گھونگنیاں ڈالے بیٹھے رہے، اور حالات کا جائزہ لیتے رہے اور سوچتے رہے کہ کوئی بیان دینا ان حالات میں مناسب بھی ہے یا نہیں۔ اس طرزِ عمل کی دو ہی توجیہیں ممکن ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کریں کہ آپ میں اخلاقی جرأت کی بے حد کمی ہے اور آپ نے اس معاملہ میں کھلی ہوئی مداہنت کا ثبوت دیا ہے۔ اور یا پھر یہ بات مان لیں کہ یہ سب افسانہ طرازی ہے اور اس کا مقصد عوام الناس میں کمیشن کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پھیلانا ہے۔ ہم جس توجیہ کو بھی مولانا پیش فرمائیں گے بلا تامل قبول کر لیں گے۔

کمیشن نے اس غرض کے پیشِ نظر ایک سوالنامہ مرتب کیا تھا کہ ملک کا اہل الرائے طبقہ ان معاشرتی مسائل میں دلچسپی لے کہ جن کو حل نہ کرنے کی وجہ سے ہماری گھریلو زندگی طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار ہے۔ اور سوچ

سمجھ کر مفید تجاویز ارسال کرے۔ اس پر مولانا فرماتے ہیں "اصولی طور پر خالص شرعی مسائل میں پبلک سے استصواب رائے عامہ کا طریقہ شریعت اسلامیہ کے ساتھ استخفاف اور اہانت دین کا معاملہ کرنا ہے"۔ ان سے کوئی پوچھے کہ خالص شرعی مسائل سے انکی کیا مراد ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کمیشن نے جو سوالات پوچھے ہیں ان میں معتدبہ تعداد ایسی ہے جن کا تعلق عام سوجھ بوجھ، قانونی تجربہ اور مصالح سے ہے۔ اور وہ ان معنوں میں ہرگز دینی نہیں ہیں کہ کتاب و سنت میں ان کے بارے میں منصوص تصریحات پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو کمیشن کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ نکاح کی رجسٹریشن ہونا چاہیئے اور اس کو ایک مفید اور باقاعدہ نظام کے ماتحت انجام پانا چاہیئے۔ یا مثلاً یہ کہ دوسرے معاملات و معاہدات کی طرح نکاح میں بلوغ کی تعیین عمر کے پیمانوں سے ہونا مناسب ہے یا کہ رسمی ایجاب و قبول سے۔ چونکہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ لڑکی نے بغیر کسی دباؤ یا جبر و اکراہ کے اس تقریب میں حصّہ لیا ہے، اس لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو عورت کے حقوق کا محافظ ہو، جو اس کی علیحدہ شخصیّت کو قائم رکھ سکے، اور جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اس نے اس عظیم الشان معاہدۂ حیات میں جان بوجھ کر رضا و رغبت سے شرکت کی ہے۔ اور اس کو اس معاہدہ کی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ بتایا جائے ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اہل الرائے حضرات کے مشورے کیوں ضروری نہیں اور اس میں کیا شرعی قباحت ہے۔

کیا مولانا جانتے ہیں کہ جن مسائل کو وہ خالص شرعی مسائل کہہ رہے ہیں وہ بھی اس لحاظ سے خالص شرعی نہیں کہ ان کے کئی کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو بلاشبہ دین کا ہے۔ مگر ان کے مالہ و ماعلیہ پر حاوی ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ آپ قرآن و حدیث کی وضاحتوں سے آگاہ ہوں۔ بلکہ ان سے آگے بڑھ کر بہت سے دوسرے نقطہ ہائے نگاہ سے بھی اس سلسلہ میں مدد لی جائے گی، جن سے اس نوع کے کم نگاہ علماء بہرآئینہ واقف نہیں۔ علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی مولانا کے ذہن میں رہنا چاہیئے کہ جب ان مسئلوں کو قانونی قالب میں ڈھالا جائے گا تو غور و فکر کی متعدد اور متبادل صورتیں سامنے آئیں گی۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں کون صورت اسلام کی روح اور مقاصد کی زیادہ ترجمانی کرتی ہے۔ اور کون صورت کس حد تک قانون و آئین کی پابندیوں کو قبول کر سکتی ہے؟ نیز اس بات کا بھی جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارے معاشرے کی ضروریات کیا ہیں اور وہ کس نوع کی اصلاحات کا طالب ہے۔ اب اگر ان مسائل کی تحقیق و تفحص اور چھان بین میں اخبارات حصّہ لیتے ہیں اور گہری دلچسپی رکھنے والے پڑھے لکھے حضرات ان کے متعلق مخلصانہ اظہار خیال کرتے ہیں تو اس میں استخفاف دین کا کونسا پہلو پایا جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی مولانا سے مخفی نہیں رہنا چاہیئے کہ ایک جمہوری ملک میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ مجوزہ اصلاحات و سفارشات کو قانونی شکل دینے سے پہلے مشتہر کیا جائے۔ اور رائے عامہ سے استصواب کیا جائے۔ کیونکہ جمہوریت کا یہ اوّلین تقاضا ہے کہ قانون سازی میں سب برابر کے شریک ہوں۔ اور کسی گروہ، ادارہ یا جماعت کے ساتھ

خصوصی برتاؤ نہ روا رکھا جائے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہے، مگر یہ اسلام سب کا مشترکہ ہے، تنہا مولٰنا احتشام الحق کی میراث نہیں کہ جس طرح چاہیں اس کی تعبیر کریں اور جس طرح چاہیں اس کی معقولیت کو مسخ کریں، اور کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کا دین ہے اور ہر ہر شخص اس کا جائز اور صحیح مخاطب ہے۔

مولانا اس پر بے حد خفا ہیں کہ کمیشن نے سوالنامہ شائع کر کے پیشہ ور علماء کی اجارہ داریوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اور ان کے ساتھ کچھ معقول لوگوں کو بھی اس لائق سمجھا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ اس سے ان کا پندار اختصاص بُری طرح مجروح ہُوا ہے اور ان کو بڑی ذہنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ کمیشن کے دفتر میں جو جوابات موصول ہوئے ہیں ان میں زیادہ معقول، سمجھ میں آنے والے اور قابلِ عمل انہیں حضرات کے تھے جن کو اگرچہ کنز الدقائق، ہدایہ اور شرح وقایہ کے مطالعہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، مگر زندگی کے نشیب و فراز کو جنہوں نے اچھی طرح دیکھا ہے، اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی ہے، اور الجھنوں اور دشواریوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ جو پورے معاشرے کو گھیرے ہوئے ہیں۔

مولانا کی خفگی یوں بھی بے جا ہے کہ دین یا معاملات فقہی کا دائرہ صرف عربی کتابوں میں سمٹا ہُوا نہیں۔ بلکہ جس طرح اسلامی فتوحات کی وسعتیں حجاز سے ہند و چین تک پھیلی ہیں اور مغرب تک پہنچی ہیں، اسی طرح اس کے فکری و علمی سرمایہ نے ایک دنیا کو مالا مال کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر ہر ترقی پذیر اور اعلیٰ زبان میں اسلامیات پر عمدہ عمدہ کتابیں موجود ہیں۔ مولانا کی انگریزی داں طبقہ کے بارے میں حد سے بڑھی ہوئی یہ بدگمانی کہ یہ شرعی و فقہی مسائل میں کوئی درک نہیں رکھتے، محض حقیقت حال نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اگر ان کے زعم ہمہ دانی کو گزند پہنچے تو ہم پوری ذمہ داری سے کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اور خصوصًا معاملات پر جس قدر سلیقے، قاعدہ اور ترتیب کے ساتھ انگریزی داں حضرات نے کام کیا ہے اس کی ہمارے جبّہ و عبا پھڑکانے والے علماء کو ہوا بھی نہیں لگی۔ کیا مولانا احتشام الحق اور اس قبیل کے سطحی علم رکھنے والے حضرات سید امیر علی کی فقہی کاوشوں کا کوئی جواب پیش کر سکتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے فیصلوں میں جن جن تنقیحات پر قلم اُٹھایا ہے اس کی کوئی نظیر ان کے ہاں پائی جاتی ہے؟ ان کو چھوڑیئے، ڈینشا کی محمڈن لا ایسی جامع، مستند اور قابلِ فہم کتاب لکھنے پر ان میں کسی کو قدرت حاصل ہے؟ یہ ایک پارسی اہلِ قلم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی اپنے دین کی خدمت لے لی ہے۔

غرض کہنا یہ ہے کہ اسلام عربی کی چند رٹی رٹائی کتابوں میں محصور نہیں، یہ ہمہ گیر ہے۔ اور اس کی جلوہ طرازیوں سے دوسری زبانیں بھی متاثر ہوئی ہیں۔ لہٰذا عربی نہ جاننے والے بھی اس کے مزاج، تاریخ، علوم و فنون اور تصورات سے کما حقہٗ واقف ہو سکتے ہیں۔